مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کی حضرت مولانا فضل علی صاحب نقشبندی سے بیعت اور خلافت واجازت کی روایت پر ایک نظر!

ہر دور میں کچھ ایسی بڑی اور باعظمت شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں، جو اپنے فضل وکمال، دینی اصلاحی تربیتی خدمات، ارشاد وتلقین یا تحریر وتصنیف میں کمال یا کسی اور لیاقت کی وجہ سے، ایسی شہرت ایسا مرتبہ اور امتیاز حاصل کر لیتی ہیں کہ اپنے عہد کی پہچان بن جاتی ہیں، جب اس دور کے بڑے لوگوں، بڑے خادمان دین ملت، بڑے مصلحین ومرشدین، بڑے اہل قلم اور مصنفین اور بڑے اصحاب فضل کا تذکرہ آتا ہے، تو ان کی یاد آتی ہے، ان کی خدمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ان کے چھوڑے ہوئے ورثہ سے تعلق اور اس کی معنویت وقدر قیمت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ ہر ایک طبقہ کے افراد ایسے اکابر سے نسبت اور کسی طرح کی بھی وابستگی قائم ہونا، سعادت اور اعزاز سمجھتے ہیں۔ اس میں شک بھی نہیں کہ اس طرح کی نسبت اور کسی بھی صاحب نسبت، صاحب دل، متبع سنت سے قریبی وابستگی، لائق تحسین اور مفید ہوتی ہے، لیکن بعض مرتبہ اس کے لئے جو ترتیب قائم کی جاتی ہے جو سلسلہ بیان کیا جاتا ہے اور جس طرح ایک سلسلہ کو دوسرے سلسلہ سے ملایا اور ایک کڑی کو دوسری کڑی سے جوڑا جاتا ہے، وہ معاملہ بہت زیادہ قابل اعتماد نہیں ہوتا۔

ان سلسلوں کی ترتیب اور تاریخ اس کی تصدیق نہیں کرتی، تو مشکلات پیش آجاتی ہیں۔ یہ مشکلات اہل سلسلہ کو بھی ہوتی ہیں اور ان کے احوال سے ناواقف اصحاب کو بھی ہوتی ہیں اور کئی مرتبہ ایسی بے اصل باتوں کی وجہ سے، بعد میں بہت بحثیں اور اختلاف وانتشار ہوجاتا ہے، اور تاریخ تذکرہ کی معنویت سے

واقف لوگوں کو اس سے اتفاق دشوار ہو جاتا ہے، تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، اس لئے جب بھی کبھی اس قسم کی کوئی بات یا نئی اطلاع سامنے آئے، اس کی دیانت داری سے تصدیق و تحقیق ضروری ہو جاتی ہے کہ اس بے سند اطلاع کی وجہ سے سلسلہ، اہل سلسلہ اور ان کے متعلقین کو، کسی دشواری کا اور بعد والوں کو، تاریخی پیچیدگی اور مغالطہ کا سامنا نہ ہو۔

گذشتہ دنوں اسی طرح کی ایک روایت یا اطلاع، تبلیغی جماعت کے حوالہ سے شہرۂ آفاق شخصیت، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کے متعلق بھی شائع ہوئی ہے، یہ حضرت مولانا کی، مولانا فضل علی صاحب قریشی [وفات: یکم رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ، ۲۸/نومبر ۱۹۳۵ء] کے ذریعہ سے سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستگی اور مولانا محمد الیاس کو، مولانا فضل علی صاحب قریشی سے اجازت و خلافت کی اطلاع ہے مگر یہ روایت قابل قبول معلوم نہیں ہوتی، اس کے کئی پہلو تحقیق طلب ہیں۔ خیال تھا کہ اس سلسلہ میں کسی جانب سے کوئی ذمہ دارانہ تحریر یا وضاحت آئے گی اور بات صاف ہو جائے گی، مگر ابھی تک کسی جانب سے کوئی تحقیق سامنے نہیں آئی، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں تاریخ کی وضاحت اور اپنی معلومات پیش کردی جائیں۔ یہ وضاحت اسی وقت آجانی چاہئے تھی مگر مولانا قریشی صاحب کے سلسلہ کی معتبر کتابوں [جو سب ہی پاکستان میں چھپی ہیں اور ان میں سے بعض کی طباعت پر، برسوں گذر چکے ہیں اور اب کم یاب ہیں] کی تلاش و دریافت اور پاکستان سے آنے میں بہت وقت لگا، اس لئے بھی اس تحریر کے لکھنے کی تاخیر ہوئی، یعنی:

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

حضرت مولانا محمد الیاس اور مولانا فضل علی صاحب کے روابط یا ملاقات کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ، حضرت مولانا محمد الیاس کے ضروری واقعات اور سنین حیات تازہ کرلئے جائیں۔ واللہ ولی التوفیق

حضرت مولانا محمد الیاس [بن مولانا محمد اسماعیل جھنجھانوی ثم کاندھلوی] ۱۳۰۳ھ [۸۶-۱۸۸۵ء] میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے، الیاس اختر تاریخی نام ہے[۱] [اعداد ۱۳۰۳ھ] وطن میں

---

[۱] ہمارے خاندان میں ہر دور میں، مفصل روزنامچہ [Diary] لکھنے کا معمول رہا، جس میں بہت چھوٹی چھوٹی باتیں اور دنیا جہان کی باتیں لکھی ہوئی ہیں مگر تعجب ہے کہ کسی بھی روزنامچہ میں، حضرت مولانا الیاس کی تاریخ پیدائش درج نہیں، سنہ اور تاریخی نام ایک سے زائد موقعوں پر درج ہے۔

حافظ رحیم بخش عرف حافظ منگتو صاحب سے قرآن شریف حفظ کیا، فارسی اور ابتدائی درسیات خاندان کے بزرگوں سے اخذ کیں، کبھی کبھی نظام الدین میں، اپنے والد محترم، حضرت مولانا محمد اسماعیل کے پاس بھی رہتے اور پڑھتے رہے۔ ۱۳۱۴ھ کے آخر یا شروع ۱۳۱۵ھ [۱۸۹۷ء] میں اپنے بڑے بھائی، مولانا محمد یحیٰی کے ساتھ گنگوہ بھیج دیئے گئے، وہاں رہ کر مولانا یحیٰی سے پڑھنا شروع کیا، مولانا محمد یحیٰی کا طریقۂ تعلیم نہایت مفید اور طالب علموں کی صلاحیتوں کو جلا دینے، نمایاں کرنے والا تھا۔

مولانا محمد یحیٰی صاحب سے متوسطات کی تکمیل کے بعد، ۱۳۲۶ھ [۱۹۰۸ء] میں دیوبند حاضر ہوئے، شیخ الہند کے حلقہ درس میں، سنن ترمذی اور صحیح بخاری کی سماعت کی، اس کے کئی سال بعد مولانا محمد یحیٰی سے صحاح ستہ کی سماعت وقرأت کا موقع ملا۔

گنگوہ کے قیام میں حضرت مولانا گنگوہی سے بیعت ہوئے اور حضرت مولانا کی صحبت وبرکات سے استفادہ کرتے رہے، حضرت مولانا گنگوہی کی [وفات: ۱۳۲۳ھ، ۱۹۰۵ء] کے بعد، شیخ الہند مولانا محمود حسن سے بیعت کی خواہش کی، حضرت مولانا نے، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی [وفات: ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ ستمبر ۱۹۲۸ء] سے وابستگی کا مشورہ دیا، اس پر عمل کرتے ہوئے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت ہوئے اور اصلاح وتربیت کے بعد اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ جہاں تک معلوم ہے مولانا محمد الیاس صاحب، اس کے بعد نہ کسی سلسلہ میں کسی اور مرشد سے وابستہ ہوئے، نہ ہی حضرت مولانا کو کسی اور طریقہ سے خلافت واجازت کی معتبر اطلاع موجود ہے۔

شوال ۱۳۲۸ھ [اکتوبر ۱۹۱۰ء] میں مظاہر علوم سہارنپور میں، مدرس مقرر ہوئے تھے، اپنے بڑے بھائی مولانا محمد میاں جھنجھانوی کی وفات [۲۵/ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ، ۸/فروری ۱۹۱۸ء] کے بعد، مولانا کے اہل تعلق کے اصرار اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے مشورہ پر، مظاہر علوم سے ایک سال کی چھٹی لے کر، نظام الدین میں عارضی قیام کے خیال سے، سہارنپور سے رخصت ہوئے، کاندھلہ پہنچ کر بیمار ہوگئے، ۲۰/جمادی الاول ۱۳۳۶ھ [۴/مارچ ۱۹۱۸ء] کو کاندھلہ پہنچے تھے، تقریباً چار مہینے بیمار رہے، صحت ہوئی تو نظام الدین میں، اپنے والد ماجد اور بھائی کے، کام کو دیکھنے، جاننے اور فی الجملہ سنبھالنے کے لئے، کاندھلہ سے نظام الدین کے لئے روانہ ہوگئے۔ یہ حضرت مولانا کا نظام الدین کا وہ سفر تھا، جو مولانا کے بنگلہ والی مسجد میں مستقل قیام کا ذریعہ ثابت ہوا، کاندھلہ سے [حضرت مولانا کے برادر نسبتی]

مولانا احتشام الحسن کاندھلوی بھی، مولانا محمد الیاس کی، نظام الدین میں تنہائی کے خیال اور مولانا سے پڑھنے کے لئے، تقریباً اسی وقت نظام الدین چلے گئے تھے، جو اس دن سے حضرت مولانا کی وفات کے دن تک، سفر وحضر میں مولانا کے رفیق وہم قدم رہے۔

دہلی پہنچ کر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے، اپنے والد ماجد اور برادر گرامی کے علمی اصلاحی کام کو سنبھالا، میوات میں جگہ جگہ مکتب قائم تھے، [1] مولانا محمد میاں صاحب نے بیس بائیس گاؤں میں مسجدیں تعمیر کرائی تھیں، ان کے مصارف کا بھی خود ہی انتظام فرماتے تھے، اور بھی اصلاحی کام تھے، ان کے علاوہ بنگلہ والی مسجد کا مدرسہ، بذات خود ایک ادارہ اور مولانا کے تمام کاموں کا مرکز تھا، وہاں پہنچ کر ان تمام کاموں کی آبیاری اور ترقی کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہے، ساتھ ہی اہل دہلی کی اصلاح اور دینی رہنمائی کے لئے، مختلف منصوبے سوچتے، اور بہتر سے بہتر نتائج حاصل کرنے اور ان سب کو دین کی راہ پر لگانے کے لئے، ایک کے بعد ایک متعدد تدبیریں آزماتے رہے، جس میں ایک کام، فقہ وفتاویٰ کا بھی تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب معتمد مفتی تھے، دہلی اور میوات میں حضرت مولانا کے فتاویٰ کا احترام کیا جاتا تھا، دہلی کے چند اخبارات ورسائل، مولانا محمد الیاس کے بعض فتوے اہتمام سے شائع کرتے تھے، بعض فتوے اشتہار کی صورت میں بھی چھپے۔ [ایسے چند فتوے راقم کے پاس موجود ہیں]

جب حضرت مولانا سہارنپور سے نظام الدین منتقل ہوئے، اس وقت حضرت مولانا خلیل احمد سے اجازت مل چکی تھی، دہلی میں حضرت مولانا نے اس طرف بھی بھرپور توجہ فرمائی، ذاتی اذکار واشغال، مجاہدات ومراقبات کے علاوہ، حضرت مولانا سے بیعت ہونے والوں، استفادہ کرنے والوں اور مولانا کی تعلیم وتربیت سے، راہ سلوک میں تیزی سے آگے بڑھنے والوں کی خاصی تعداد تھی۔ مولانا کے فیض صحبت سے، ان میں جو تبدیلی آئی اور عرفان سلوک کی جو کیفیات پیدا ہوئیں اور جو روحانی ترقیات شروع ہوئیں، ان سے خود حضرت مولانا بھی حیران رہ گئے تھے۔ حضرت مولانا نے خود ایک موقع پر فرمایا:

> اس کے بعد ایک وقت آیا، جب کہ میرے حضرت نے مجھ کو اجازت دیدی تھی، تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی، اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی، اللہ کا کرنا، آنیوالوں پر اتنی جلدی کیفیات اور احوال

---

[1] جب حضرت مولانا الیاس [۱۳۳۶ھ، ۱۹۱۸ء] میں پہلی مرتبہ، اپنے دادا، اور بڑے بھائی کے ورثہ اور خدمات کے بقاء اور نگرانی کے ارادہ سے نظام الدین پہنچے، اس وقت میوات میں مولانا الیاس، ان کے بڑے بھائی اور والد کے قائم کئے ہوئے، ستّر مکتب موجود تھے، جو کام کررہے تھے، [۱۳۴۸ھ ۔ ۱۹۳۰ء میں] تبلیغی کام شروع ہونے کے بعد، ان میں خاصا اضافہ ہوا تھا۔ عموماً کمی نہیں ہوئی۔

کا ورود شروع ہوا اور اتنی تیزی کے ساتھ حالات میں ترقی ہوئی، کہ خود مجھے حیرت ہوئی۔[۱]

اگر چہ حضرت مولانا محمد الیاس کے حیات کے آخری دور میں، تبلیغی کام کی ترقی اور پذیرائی کے لئے، حضرت مولانا کی فکر اور مسلسل مصروفیات، بہت بڑھ گئی تھیں، لیکن سلوک و معرفت کی شاہ راہ اس وقت بھی، اسی طرح پرنور اور مسلسل روشن رہی اور حضرت مولانا کے متوسلین کی ایک بڑی تعداد، اسی پر سرگرم سفر رہی۔

ان لوگوں کی راہ طریقت میں رہنمائی کے لئے، حضرت مولانا نے ابتدائی تعلیمات سلوک اور اپنا طریق تربیت، ''اسلامی زندگی'' کے نام سے، اپنے نائب و ترجمان، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی سے کتابی صورت میں مرتب اور قلم بند کرایا تھا، ان ہی دنوں میں مولانا احتشام الحسن صاحب نے، حضرت مولانا کا شجرہ سلوک و بیعت بھی مرتب کر کے، شجرۂ طیبہ کے نام سے شائع کر دیا تھا،[۲] یہ شجرہ اور کتابچہ تعلیمات [اسلامی زندگی] کبھی کبھی خود حضرت مولانا الیاس صاحب بدست خود، اپنے خاص متوسلین کو عنایت فرما دیا کرتے تھے۔ یہ شجرہ سلوک اور مجموعہ ہدایات و تعلیمات، یعنی ''اسلامی زندگی'' دونوں علیحدہ علیحدہ اور یک جا بھی، حضرت مولانا کی حیات میں دو تین مرتبہ چھپے، حضرت مولانا کی وفات کے بعد بھی شائع ہوئے، یہ تمام اشاعتیں یکساں ہیں، ان میں سے کسی طباعت و اشاعت میں بھی، مشائخ طریقت کے ناموں، شجروں اور ترتیب میں، کسی طرح کی بھی ترمیم، تغیر اور اضافہ نہیں کیا گیا،- جو اس کی علامت و نشانی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا، صرف یہی ایک سلسلہ اجازت طریقت تھا، حضرت مولانا، تا حیات اسی کے مطابق اجازت دیتے اور اعلان فرماتے رہے۔ حضرت مولانا یا ان کے متوسلین میں سے کسی نے بھی، حضرت مولانا کی کسی اور اجازت بیعت کا، کسی اور شیخ طریقت سے وابستہ ہونے، یا اجازت و خلافت کا، کبھی تذکرہ نہیں کیا۔

حضرت مولانا الیاس آخر میں ہمہ تن، تبلیغی جد و جہد میں مصروف ہو گئے تھے۔ حضرت مولانا

---

[۱] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص:۲۹۵، ۲۹۶ [اشاعت دینیات، نظام الدین، دہلی: بلا سنہ]

[۲] شجرۂ طیبہ کی تین طباعتیں راقم کے پاس محفوظ ہیں، جس میں سے دو، حضرت مولانا کی حیات میں چھپی تھیں، اور ایک غالباً، وفات کے فوراً بعد کی مطبوعہ ہے۔ اسی طرح ''اسلامی زندگی'' بار، بار چھپتی رہی، کم سے کم تین طباعتیں، حضرت مولانا کی حیات کی ہیں، بعد میں بھی کثرت سے چھپی، کئی طرح کے ایڈیشن آئے، اس کی کثرت طباعت اور مقبولیت کا، اس سے اندازہ کیجئے، کہ یہ کتابچہ چھوٹے، جیبی سائز [Pocket book] میں بھی کئی مرتبہ چھپا۔

کی حیات میں تبلیغی کام، اگر چہ بہت عام تو نہیں ہوا تھا، مگر اہل علم اور دردمند اصحاب میں اس کا چرچا اور تذکرہ خوب تھا، اس سے وابستگی کی کوشش اور اس طرز پر کام کرنے کی تمنا پائی جاتی تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس نے، اپنی زندگی کے آخری تقریباً دس سال، اسی جدوجہد میں بسر کئے، ان خدمات ومصروفیات کی وجہ سے حضرت مولانا کا، دہلی وغیرہ اور ملک کے مختلف حصوں میں خاصا تعارف تھا، ممتاز اہل علم وکمال کی محفلوں میں، حضرت مولانا کا خاصے احترام سے نام لیا جاتا تھا، مگر تبلیغی اہتمام وانہماک کے اس دور میں بھی، ان اذکار واشغال پر، جو مولانا کو حضرت مولانا خلیل احمد اور مشائخ سلسلہ سے حاصل ہوئے تھے، پورا عمل کرتے تھے۔ مولانا سے بیعت وارادت کا سلسلہ بھی وسیع تھا، بڑے مشائخ عصر میں، مولانا محمد الیاس کا نام بھی شمار کیا جاتا تھا۔

حضرت مولانا سے ہزارہا افراد بیعت ہوئے، بعض کو حضرت مولانا نے باقاعدہ سلوک طے کرایا اور متعدد اصحاب کو اجازت بیعت سے نوازا۔ خلفاء میں سب سے پہلا نام، حافظ مقبول حسن گنگوہی [وفات: ۱۴/رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ، ۲۸/جولائی ۱۹۸۰ء] کا ہے، ان کے بعد مولانا احتشام الحسن کاندھلوی [وفات: ۱۳۹۱ھ ۱۹۷۱ء] اجازت سے نوازے گئے۔ وفات سے دو دن پہلے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے، مزید چار اصحاب کے لئے اجازت کا اعلان فرمایا، کہ مجھے ان پر اعتماد ہے، ان کو میری طرف سے اجازت بیعت ہے اور ان سب مجازین بیعت میں سے، جس پر اہل قلب ونظر کا اعتماد واتفاق ہو، ان کو میرا قائم مقام تبلیغی کام کا نگراں اور سرپرست مقرر فرماویں۔ وہ چاروں یہ تھے:

۱) قاری سید حسن رضا دہلوی ثم بھوپالی [وفات: ۱۲/ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ، ۱۶/ستمبر ۱۹۴۸ء]

۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی [وفات: ۱۳۸۴ھ، ۱۹۶۵ء]

۳) قاری محمد داؤد صاحب میواتی [وفات: ۱۴/رجب ۱۳۸۹ھ، ۲۸/ستمبر ۱۹۶۹ء]

۴) حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی [وفات: ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۵ء]

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے، حضرت مولانا محمد یوسف کو، حضرت مولانا محمد الیاس کا نائب وجانشین مقرر کیا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے اس انتخاب کو پسند کیا اور اس سے مکمل اتفاق کیا، یہ دن گذارنے کے بعد اسی رات میں جو شب پنجشنبہ تھی، صبح صادق کے قریب ۲۲/رجب ۱۳۶۳ھ، ۱۳/جولائی ۱۹۴۴ء کو،

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

مولانا محمد الیاس صاحب کے کسی قدر تفصیلی حالات سے یہ معلوم ہو جاتا ہے، کہ تعلیم پوری ہونے کے بعد، حضرت مولانا کی زندگی کے تین دور یا اہم پڑاؤ تھے: پہلا جب وہ مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس تھے۔ دوسرا: سہارنپور سے نظام الدین منتقلی کے بعد سے تبلیغی کام کے عروج وفروغ تک۔ تیسرا: تبلیغ کی پذیرائی سے وفات تک۔ ان تینوں مرحلوں میں سے کسی دور میں بھی، حضرت مولانا گم نام اور غیر متعارف نہیں تھے۔ تبلیغی کام کی پذیرائی کے ساتھ، حضرت مولانا کا نام ملکوں ملکوں گونج گیا اور اب تو حضرت مولانا کو مشاہیر مشرق بلکہ اشہر مشاہیر مشرق میں شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن ان تینوں زمانوں میں کسی وقت بھی اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا، کہ مولانا الیاس صاحب سلوک ومعرفت میں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے علاوہ، کسی اور سلسلہ یا شیخ طریقت سے بھی وابستہ ہوئے تھے، یا مولانا کے لئے اجازت وخلافت میں، خاندان کی نسبتوں اور حضرت مولانا خلیل احمد کے علاوہ، کسی اور شیخ کا نام اور اثر بھی شامل، یا کارفرما رہا تھا۔

حضرت مولانا کے فرزند گرامی مرتبت، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی [وفات: ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء] اور مولانا انعام الحسن [وفات: ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۵ء] پر متعدد کتابیں اور اپنے اپنے موقع پر، رسالوں کے خاص نمبر شائع ہو چکے ہیں، حضرت مولانا الیاس صاحب کے اور خلفائے کرام بھی غیر متعارف نہیں رہے، ان کے احوال وسوانح، افادات، ارشادات، مواعظ وتقاریر اور ان سے وابستہ ہونے، استفادہ کرنے والوں کی، بیسوں تحریریں مضامین اور یادداشتیں شائع ہو چکی ہیں، ان میں کہیں بھی، اس کا ذکر بلکہ اشارہ تک نہیں آیا کہ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے اجازت وسلسلہ میں، کوئی اور نسبت بھی شامل اور جڑی ہوئی ہے، یا مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے علاوہ، کسی اور کے بھی مجاز ومستفید تھے۔

راقم سطور نے، حضرت مولانا کے خلفائے کرام میں سے، قاری حسن رضا صاحب کے علاوہ، حضرت مولانا کے جملہ خلفائے کرام کو خوب دیکھا ہے، حضرت مولانا الیاس کی صحبتوں سے مستفید، میوات کے خدا رسیدہ افراد نیز حضرت مولانا سے بیعت اور ذاتی تعلق رکھنے والے، متعدد اصحاب سے راقم سطور کو کم زیادہ نیاز حاصل رہا ہے۔ ان میں سے اکثر سے راقم نے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، ان کے برادر

بزرگ مولانا محمد میاں نیز تبلیغ ،اور مرکز تبلیغ کی نسبت معلومات حاصل کیں،سوالات بھی کئے،ان سب سے بڑھ کر، میرے تایا،مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی تھے، وہ بارہ سال کی عمر میں، اس وقت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی رفاقت کے لئے، نظام الدین گئے تھے، جب مولانا الیاس صاحب ، اپنے بڑے بھائی مولانا محمد میاں صاحب کی وفات کے بعد،[پہلی مرتبہ، لمبے مگر عارضی قیام کی نیت سے] نظام الدین گئے تھے۔ مولانا احتشام الحسن صاحب اس وقت سے، حضرت مولانا محمد الیاس کی وفات تک، سفر وحضر، تبلیغ کے ہراک منصوبہ، نظام عمل اور ہراک کام میں، ایک جان دوقالب کی طرح، حضرت مولانا کے رفیق وہم قدم اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے الفاظ میں: قوت بازو بنے رہے۔ حضرت مولانا کی زندگی کی تمام مصروفیات، معمولات خدمات، جملہ خاص وابستگان ومنتسبین، خلوص کا رشتہ رکھنے والے احباب، اور ملنے جلنے والے سبھی لوگ، مولانا احتشام الحسن صاحب کے علم اور رابطہ میں تھے، لیکن ہمہ وقت کی اس لمبی رفاقت اور حضرت مولانا سے وسیع ترین واقفیت کے باوجود، مولانا احتشام الحسن صاحب نے اپنی کسی بھی تالیف وتحریر میں اس کا تذکرہ نہیں کیا، کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے بعد، کسی اور سے بھی بیعت ہوئے تھے یا حضرت مولانا کو کسی اور سے بھی اجازت وخلافت ملی تھی۔

اس پر بھی غور کیجئے کہ مولانا فضل علی اور حضرت مولانا محمد الیاس دونوں کے ساتھ، دو، دو ایسے علماء واصحاب کا تذکرہ آتا ہے کہ ان دونوں میں ایک ایک تو، دونوں کے شب وروز کے رفیق اور سفر وحضر کے ساتھی تھے اور ایک ایک ایسے، کہ جو ان حضرات میں سے ہراک کے متعلق، ہر طرح کی ڈھکی چھپی، معلومات اور ان کی ذاتی، اجتماعی، ملی مصروفیات وخدمات کے، ہراک گوشہ سے، سب سے زیادہ، سب سے بڑھ کر واقف تھے۔ مولانا فضل علی کی خدمات اور ہمہ وقت رفاقت کا، مولانا عبدالمالک صدیقی کو موقع ملا، اور مولانا محمد الیاس صاحب کی ایسی ہی رفاقت اور ان کے ساتھ سفر میں ساتھ رہنے کی توفیق، مولانا احتشام الحسن صاحب کو میسر آئی۔

مولانا فضل علی قریشی اور ان کے سلسلہ کے اجازت یافتگان اور خواص کی جملہ معلومات اور جزئیات احوال کی وسیع واقفیت میں، مولانا زوار حسین صاحب بہت ممتاز، اور اس حوالہ سے اور تمام لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس کی زندگی کے سفر، ان کے رفقاء، معاونین اور متعلقین

کے متعلق، وسیع ترین چھوٹی بڑی معلومات میں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، تمام واقفین سے فائق تھے۔مگر ان دونوں بزرگوں، یعنی [مولانا فضل علی قریشی اور حضرت مولانا محمد الیاس] کی ملاقات اور خلافت واجازت کے قصہ کا، حضرت مولانا زکریا تذکرہ کرتے ہیں، نہ مولانا زوار حسین شاہ۔ اگر اس روایت کی ذرا بھی کچھ حقیقت ہوتی اور اس میں صداقت کا معمولی سا بھی شائبہ ہوتا، توان چاروں میں سے کوئی نہ کوئی اس کا ضرور تذکرہ کرتا، یہ بے خبری اس واقعہ کے عدم وجود اور فرضی ہونے کی گواہی دے رہی ہے۔

مولانا الیاس صاحب کی حیات تک، مولانا احتشام الحسن صاحب کو، مولانا محمد الیاس کی زبان، ترجمان اور تبلیغی کام کا دماغ سمجھا جاتا تھا۔ تبلیغ کے مقصد اور تعارف کے لئے سب سے پہلے مولانا احتشام الحسن صاحب کا قلم حرکت میں آیا، مولانا احتشام الحسن صاحب نے ہی، حضرت مولانا کی تعلیمات سلوک اور حضرت مولانا کے متوسلین کے لئے، شجرہ مرتب کر کے شائع کیا تھا، حضرت مولانا خود بھی یہ شجرہ اور سلوک کا دستور العمل، اپنے خاص متوسلین کو عنایت فرمایا کرتے تھے۔ اس شجرے میں اگر چہ چشتی، صابری، نقشبندی، سہروردی تمام سلسلوں کا ذکر ہے مگر یہ تمام سلسلے صرف حضرت خلیل احمد صاحب کے ذریعہ سے ہیں، مولانا فضل علی صاحب اور ان کے سلسلہ سے استفادہ اور اجازت کا، اس مطبوعہ شجرہ، یا حضرت مولانا محمد الیاس سے متعلق، کسی بھی تحریر میں، کہیں تذکرہ نہیں آیا۔

مولانا احتشام الحسن صاحب کے چھوٹے بھائی، مولانا اظہار الحسن [ولادت: ۷ ۱۳۴۳ھ، ۱۹۱۹ء، وفات: ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶ء] اور حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ [ولادت: ۱۳۴۰ھ، ۱۹۲۲ء] [یہ تینوں، حضرت مولانا الیاس کے برادر نسبتی بھی تھے] زمانہ تعلیم میں، گھر کے فرد اور طالب علم کی حیثیت سے، دو تین سال تک، مسجد بنگلہ والی، نظام الدین دہلی میں، مقیم اور دن رات، حضرت مولانا الیاس کے جملہ معمولات و مشغولیات سے واقف، گفتگوؤں اور مجالس میں شریک رہے۔ حضرت مولانا ان سے سب طرح کی باتیں کرتے تھے اور اللہ کے فضل وکرم سے، دونوں کو، یہ سب باتیں یاد بھی خوب تھیں، یہ دونوں ان باتوں کو نقل بھی کرتے رہتے تھے، مگر ان دونوں کی ایسی باتوں میں، کبھی بھی، مولانا فضل علی کا نام نہیں آیا۔ میرے والد ماجد، [حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ] فرماتے ہیں کہ: ہم نے حضرت مولانا سے،

مولانا فضل علی کا نام بھی نہیں سنا۔[1]

یہ تو حضرت مولانا محمد الیاس ان کے ملفوظات ومکتوبات اور ان کے متعلقات اور خلفاء کے احوال وسوانح اور روایات کی بات تھی، تاہم اس روایت کو اس پہلو سے بھی دیکھ لینا ضروری ہے، کہ خود مولانا فضل علی قریشی اور مولانا فضل علی صاحب کے خلیفۂ خاص اور جانشین، مولانا عبدالمالک صدیقی صاحب، اور مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی کی، دہلی، مغربی یوپی، مشرقی پنجاب اور ہریانہ وغیرہ میں شہرت تھی، مولانا عبدالمالک صاحب اور مولانا عبدالغفور نقشبندی [بعد میں، مہاجر مدنی] سے استفادہ کرنے، مولانا سے بیعت ہونے اور مولانا کی خدمت میں آنے والوں کی تعداد، مولانا فضل علی کے متوسلین سے بہت زیادہ تھی، نیز اس نواح کے اکثر علمائے کرام اور مشائخ، خصوصاً وابستگان سلسلہ امدادیہ نیز دیوبند، سہارنپور اور دہلی کے علماء کے علاوہ، حضرت مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف، تبلیغی اصحاب، نیز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے، بہت روابط تھے، یہ دونوں ان سب حضرات کی خدمات میں اور یہ حضرات بھی موقع بہ موقع، ان دونوں سے ملاقات کے لئے، آتے جاتے رہتے تھے۔ مغربی یوپی کے مختلف مقامات کے ہزاروں افراد، مولانا عبدالمالک کے دامن تربیت سے وابستہ تھے، خصوصاً ضلع بجنور اور اس کے قصبات واطراف میں، مولانا فضل علی قریشی اور مولانا عبدالمالک کے وابستگان کی بڑی تعداد تھی، جس میں سے اب بھی چند افراد موجود ہیں۔ بعض نے مولانا عبدالمالک صاحب کی سرپرستی میں ۔۔۔۔۔۔۔ سیر سلوک کی ہے، یا مولانا عبدالغفور صاحب سے عرصہ تک وابستہ رہے ہیں، مگر دونوں قسم کے افراد میں سے، ایک بھی شخص، مولانا فضل علی صاحب سے، حضرت مولانا محمد الیاس کی بیعت اور اجازت وخلافت کے قصہ سے واقف نہیں ملا۔

مولانا فضل علی نیز ان کے اسلاف اور اخلاف سب کی، دہلی اور وہاں کے علماء اور مشائخ کرام سے واقفیت تو تھی ہی، کیوں کہ یہ سلسلہ، مولانا شاہ سعید مجددی دہلوی اور حضرت شاہ غلام علی کے واسطہ سے، سلسلہ مجددیہ سے جڑا ہوا ہے، اس لئے سب کا دہلی آنا جانا لگا رہتا تھا، اور اس خانوادہ کے علماء اور مشائخ کی

---

[1] حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کو ابتدائی درسیات میں، مولانا محمد الیاس سے تلمذ بھی ہے۔ اس زمانہ میں، حضرت مولانا الیاس صاحب، نظام الدین دہلی میں واقع ہمایوں کے مقبرہ کے قریب ایک خاص گوشہ میں، چاشت کے وقت سے تقریباً ظہر کی نماز تک، سب سے علیحدہ تنہائی میں، مصروف عبادت رہا کرتے تھے، کبھی کبھی ظہر کی نماز بھی وہیں ادا کرتے تھے۔ وہاں صرف ہمارے والد محترم، حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب اور مولانا اظہار الحسن کو جانے کی اجازت تھی، ۔۔۔۔ والد صاحب ہی اکثر حضرت مولانا کا دوپہر کا کھانا لے کر جاتے تھے۔

وجہ سے اور حضرات سے بھی تعارف، ملاقاتیں اور استفادہ رہتا تھا۔یعنی مولانا فضل علی قریشی اور ان کے خلفائے کرام کے لئے، دہلی اور اس کے قرب و جوار کی بستیاں اور اہل فضل و کمال، اجنبی اور غیر متعارف نہیں تھے۔

مولانا فضل علی کا دہلی کا، غالباً پہلا سفر، اپنے پیرومرشد مولانا سراج الدین کی ہمراہی میں ہوا تھا، اسی سفر میں، دہلی میں مولانا سراج الدین نے، مولانا فضل علی کو خلافت سے نوازا تھا[۱]، اس کے بعد بھی مولانا دہلی آتے رہے، اس دوران دہلی سے اطراف کے معروف علماء، مشائخ اور اہل کمال سے ملاقات واستفادہ کے لئے، دیوبند، سہارنپور وغیرہ خصوصاً کھاری ضلع بجنور کے بار بار سفر ہوئے، کھاری میں مولانا فضل علی کے مستفیدین کی بڑی تعداد تھی۔

ان علاقوں کے سفر میں مولانا مفتی کفایت اللہ، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا قاری محمد طیب، مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا تھانوی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ سے جو ملاقاتیں ہوئیں، مولانا فضل علی صاحب نے ان تمام علماء کرام کا اور ان حضرات نے مولانا فضل علی سے، جو احترام اور خاص نیازمندی کا جو معاملہ فرمایا ہے، اس کا مولانا کی سوانح، خصوصاً مولانا عبدالمالک کے مجموعہ ارشادات تجلیات میں، اور مولانا فضل علی کی سوانح مقامات فضلیہ میں موقع بہ موقع تذکرہ ہے، ان کو پڑھئے دیکھئے، تو معلوم ہوتا ہے کہ طرفین سے کس کس درجہ خلوص اور پذیرائی کا معاملہ ہوتا تھا، اور کس طرح ہر اک خود کو کم تر سمجھتے ہوئے، دوسرے کی نیازمندی اور خدمت میں بڑھ جانا چاہتا تھا۔ یہ تمام قرائن اور اطلاعات صاف کہہ رہی ہیں کہ، مولانا فضل علی صاحب کی دہلی میں، حضرت مولانا محمد الیاس سے قطعاً کوئی ملاقات نہیں ہوئی، اگر ایسی کوئی ملاقات ہوئی ہوتی، تو اس کا ان کتابوں میں ذکر آنا چاہئے تھا۔ خصوصاً مولانا عبدالمالک صدیقی اور مولانا عبدالغفور صاحب مدنی کی تحریرات وگفتگو میں، اس کی وضاحت ضرور ہوتی، نیز مولانا عبدالمالک صدیقی اور مولانا شاہ عبدالغفور مہاجر مدنی، دونوں کے، حضرت مولانا محمد الیاس، ان کے فرزند گرامی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سے، ذاتی روابط اور محبت وملاقات کا گہرا رشتہ تھا، اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے وابستگی تو، اس وقت بھی اعزاز شمار کی جاتی تھی، ان کا کسی سے بیعت مرید اور خلیفہ ہونا تو، گویا اعزاز واعتبار کی سند تھی، جس کا پورے ملک

---

[۱] مقامات فضلیہ، تالیف مولانا نازوار حسین شاہ، ص: ۱۲ا [کراچی: ۱۴۲۵ھ۔ ۲۰۰۴ء]

اورتمام واقفین سلسلہ میں، تذکرہ بلکہ چرچا اورشہرۂ عام، ہونا چاہئے تھا۔

اور چوں کہ مولانا فضل علی صاحب کے کئی اہم خلفاء اور ان کے نائبین، ہریانہ سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے ان سب کی ہریانہ میں خاصی آمدورفت تھی اور ہریانہ سے ملحق، مغربی یوپی کے علاقوں اور دہلی کے لوگ بھی، ان حضرات سے نسبت وتعلق رکھتے تھے اور مُرادومرید، دونوں کا ایک دوسرے کا علاقوں میں آنا جانا تھا۔خود کاندھلہ میں بھی خاصی آمدورفت رہتی تھی، اس سلسلہ کے اکابر کی کئی تحریرات ومولفات میں، اس کی صراحت ہے۔[۱] مولانا نازوار حسین صاحب نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ، مولانا محمد سعید قریشی:

> ''صاحب اجازت ہوکر حسب ارشادِ پیرومرشد تبلیغ سلسلہٗ کے لئے، دہلی تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ کا سلسلہ جاری ہوگیا اور پھیلتے پھیلتے دہلی، گوہانہ، پانی پت، کیتھل، تھانیسر، انبالہ، کاندھلہ اور کیرانہ وغیرہ میں، آپ سے بکثرت لوگوں نے ظاہری وباطنی فیوض حاصل کئے، آپ تاحیات سال میں دومرتبہ، ان مقامات کا سفر فرماتے اور تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے''[۲]

مولانا محمد سعید قریشی نے، جو مولانا فضل علی کے ممتاز ونامور خلفاء میں سے تھے، کاندھلہ کے وابستگان سلسلہ نقشبندیہ میں سے، مستری شمس الدین صاحب کاندھلوی کو، اجازت وخلافت بھی عنایت کی تھی۔حیات مولانا محمد سعید میں، مولانا اور ان کے متوسلین کے، کاندھلہ جانے اور قیام کرنے کا، کئی جگہ تذکرہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد سعید اور حضرت مولانا فضل علی کے، خواص کے لئے، کاندھلہ اور اور یہاں کے اصحاب نئے اور غیر متعارف نہیں تھے اور جب مولانا محمد سعید قریشی نیز سلسلہ کے اور ذمہ داران، کاندھلہ تشریف لاتے ہوں گے، یا کاندھلہ اور اطراف کاندھلہ کے اہل ذوق، مولانا سعید قریشی وغیرہ کی خدمات میں حاضر ہوتے ہوں گے، تو کیا حضرت مولانا محمد الیاس کا تذکرہ نہیں آتا ہوگا؟

اس وقت مولانا محمد الیاس معروف شخصیت تھے اور تبلیغی کام بھی متعارف ہوگیا تھا، اور چوں کہ حضرت مولانا الیاس کا کثرت سے کاندھلہ آنے، اور کم سے کم ایک شب، یہاں ٹھہرنے کا ہمیشہ معمول رہا، اس لئے یہ بات ناممکن سی معلوم ہوتی ہے کہ، مولانا سعید قریشی کی، کاندھلہ کے سفروں میں، حضرت مولانا

۱۔ مثلاً مولانا محمد سعید قریشی پر، مولانا نازوار حسین صاحب نے اپنی نظم میں لکھا ہے:

وہ دہلی، پانی پت، کرنال رہتک اور گوہانہ
وہ کیتھل، کرکشیتر، کاندھلہ، انبالہ ،کیرانہ

۲۔ حیات سعیدیہ ص:۲۴۶، کراچی: ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء۔ نیز مقامات فضلیہ ص:۱۵۱

محمد الیاس سے ملاقات نہ ہوتی ہو، اور مولانا کے مرید و مستفیدین، مستری شمس الدین وغیرہ مولانا قریشی سے مولانا محمد الیاس کا تذکرہ نہ فرماتے ہوں، اور جب تذکرہ اور ملاقاتیں ہوتی ہوں گی؟ تو آپس کے قدیم روابط کی بات بھی تازہ ہونی چاہئے تھی، مگر اس کا کہیں نام ونشان، بلکہ ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا۔

ایک پہلو سے اور توجہ فرمایئے، کہ اس سلسلہ کے مشائخ، مولانا فضل علی، مولانا عبدالمالک صدیقی، مولانا محمد سعید قریشی، مولانا زوار حسین شاہ صاحب، مولانا پروفیسر غلام مصطفی خاں صاحب کے حالات واقعات، ملفوظات ومکتوبات وخدمات پر، میری معلومات کے مطابق چوبیس پچیس کتابیں شائع ہوچکی ہیں، ان میں سے دوتہائی، سترہ اٹھارہ میری نظر سے گذری ہیں، جس میں ان کا زندگی نامہ، روداد حیات اور ان حضرات کے خصوصاً دہلی، دیوبند وغیرہ اور ان اطراف کے سفروں کا خاصا تذکرہ ہے، مگر کسی ایک موقع پر بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا نام اور مولانا فضل علی صاحب سے، مولانا کی بیعت واجازت کی بات نہیں ہے۔ اس روایت واطلاع میں ذرا بھی سچائی ہوتی، تو تقریباً تمام ہی تذکرہ نگار اس کا اہتمام سے اور شاید باربار تذکرہ کرتے، ہراک کی زبان پر یہ بات عام ہوتی، اس لئے مولانا فضل علی صاحب سے مولانا محمد الیاس کے بیعت اور اجازت وخلافت کی بات کو تسلیم کیا جانا ممکن ہی نہیں۔

آخر میں اس روایت کا کسی قدر تجزیہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ، رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ [اگست ۲۰۱۱ء] میں مولانا محمد یوسف صاحب ولد محمد اسماعیل صاحب کے حوالہ سے شائع ہوئی ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ:

> ''یکم اپریل، اتوار، ۱۹۳۱ء [۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ] کو، جامع مسجد دہلی میں بیٹھ کر، آپ [یعنی خواجہ فضل علی قریشی] نے فرمایا، کہ مولانا محمد الیاس کو بلاؤ، وہ تشریف لائے''

اسی سلسلہ گفتگو میں یہ بھی تحریر ہے کہ:

> ''اس کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس نے غالباً اسی مجلس میں، حضرت قریشی سے اپنے سلسلہ میں داخل کر لینے کی درخواست بھی کی، جسے حضرت قریشی نے اس طرح قبول فرمایا، کہ صرف بیعت ہی نہیں کیا، بلکہ فوری طور پر اجازت وخلافت والی سند بھی [جو دراصل حضرت مفتی کفایت اللہؒ کی لکھی ہوئی تھی] عطا فرمادی''۔

مگر اس روایت کے تمام اجزاء غیر معتبر اور نظر ثانی کے محتاج ہیں، ملاحظہ ہو:

الف: اپریل ۱۹۳۱ء [۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ] کی پہلی تاریخ کو اتوار نہیں، بدھ تھا۔ اس لئے

ان دونوں میں سے ایک بات ضرور غلط ہے، یا تاریخ صحیح ہوگی، یا دن! دونوں ایک ساتھ صحیح نہیں ہو سکتے۔ اتوار کے دن اپریل کی پہلی تاریخ ۱۹۲۸ء میں تھی، [۹/شوال ۱۳۴۶ھ] یا ۱۹۳۴ء میں [مطابق ۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ]۔

ب: اگرچہ ۱۹۳۱ء میں مولانا فضل علی کا دہلی کا سفر ہوا تھا اس کے لئے مکتسر [کماؤں ضلع نینی تال] ۱۶/ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ کو چلے، دوسرے دن ۱۷/ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ [۳۱/ اگست ۱۹۳۱ء] کو دہلی پہنچے تھے، [۱] اس سے یقینی طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا فضل علی اپریل ۱۹۳۱ء میں دہلی موجود ہی نہیں تھے۔

ج: یہ سنہ اور تاریخ لکھنے میں غلطی کا امکان اور سہو، اس لئے تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کہ یوسف بن اسماعیل صاحب کی یہ تحریر لکھے جانے، اور اس کی تشہیر و اشاعت پر، ایک سال سے زائد ہو چکا ہے، مگر آج ان کے کسی قریب و متعلق نے، اس پر نظر ثانی یا اس کی درستی کی بات نہیں کی۔

د: اگر بالفرض یہ واقعہ اس کے بعد، یا پہلے کا ہے، تو راوی صاحب کو اس سنہ اور ان تاریخوں میں، مولانا فضل علی کی دہلی میں موجودگی کا، کوئی ناقابل تردید ثبوت پیش کرنا ہوگا، اس کے بغیر یہ روایت چنداں لائق توجہ نہیں۔

ہ: مولانا فضل علی صاحب علمائے دہلی اور دیوبند وغیرہ کا، اس درجہ کا اور ایسا غیر معمولی احترام کرتے تھے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالمالک صاحب نے، مولانا فضل قریشی سے اجازت چاہی، کہ میں آپ کے متوقع سفر دیوبند کی، وہاں کے بزرگوں کو اطلاع دیدوں، اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور فرمایا:

''اُف! اتنی بے ادبی کہ علماء میری آمد کا انتظار کریں، ہرگز نہیں'' [۲]

مولانا فضل علی کو، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ کے، مولانا سے ملاقات و استقبال کے لئے، مدرسہ امینیہ دہلی سے باہر آ جانے پر ہی، شرمندگی کا احساس ہوا تھا اور حضرت مفتی صاحب سے، بہت معذرت کی تھی۔ یہی کیفیت سفر دیوبند میں پیش آئی تھی، کہ مولانا فضل علی وہاں کے تمام علماء کے سامنے گویا بچھے جاتے

---

[۱] ملاحظہ ہو: مکتوب مولانا فضل علی، بنام مولانا عبدالمالک صدیقی - مندرجہ تجلیات صدیقی - مرتبہ، جناب مدرار اللہ مدرار نقشبندی ص: ۵۲۵، [کراچی: ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء]

[۲] تجلیات [مجموعہ احوال و تعلیمات، مولانا فضل علی] از مولانا عبدالمالک صدیقی ص: ۲۲ [طبع اول، کراچی: بلا سنہ] نیز تجلیات صدیقی ص: ۷۵

تھے۔ یعنی بڑے علماء کا احترام مولانا فیض علی کا طبعی ذوق ومزاج تھا، پھر کیا وجہ ہوئی کہ مولانا خود، نظام الدین نہیں گئے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو جامع مسجد دہلی میں طلب کیا، حال آں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا، اس وقت بھی دہلی اور مغربی یوپی کے ممتاز علماء اور مرشدین میں شمار تھا، تبلیغی کام کی وجہ سے مقبولیت اور شہرت مستزاد تھی، مولانا فضل صاحب نے ان نسبتوں اور وسیع تعارف کا کیوں خیال نہیں فرمایا؟؟

و: اگر اس روایت کے راوی، یوسف صاحب کو، یہ بات، مولانا فضل علی کی حیات کے زمانہ سے معلوم تھی اور وہ مولانا فضل علی کے متعلقین میں تھے اور مولانا کے ساتھ دہلی کا سفر بھی کر چکے تھے، تو مولانا فضل علی کے سلسلہ کے تمام اہل اجازت، خصوصاً ممتاز نائبین اور اہل سلسلہ، یوسف صاحب سے یقیناواقف ہوں گے، مگر انہوں نے اس اہم یادگار تاریخی واقعہ کا کبھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔ تجلیات میں مولانا عبدالمالک نے اور مقامات فضلیہ میں مولانا زوار حسین شاہ نے، مولانا فضل علی کے خلفائے کرام کی مفصل فہرستیں شامل کی ہیں، ان میں بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا نام درج نہیں ہے۔ مولانا عبدالمالک نے سرسٹھ [۶۷] خلفاء کے نام درج کئے ہیں، جس میں دہلی، پانی پت اور دیوبند کے اصحاب بھی شامل ہیں۔[۱] مولانا زوار حسین شاہ نے، مزید تحقیق وتصدیق کے بعد، خلفاء کی جو فہرست شامل کی ہے، وہ غالبا زیادہ قابل اعتماد ہے۔ مولانا زوار حسین صاحب نے، خلفاء کی پرانی فہرست میں سے، کچھ نام حذف کئے ہیں اور چند کا اضافہ بھی کیا ہے، اس میں کل چھیاسٹھ مجازین کے نام مرقوم ہیں، ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ:

> ''حیات فضلیہ میں، حضرت خواجہ غریب نواز [مولانا فضل علی] قدس سرہ کے خلفاء کی فہرست میں، ان حضرات کے اسمائے گرامی بھی درج ہو گئے ہیں جو دراصل حضرت موصوف کے خلفاء کے خلفاء ہیں، اس لئے اب اس کتاب میں ان حضرات کے نام درج نہیں کئے گئے، بلکہ صرف ان حضرات کے نام درج کئے گئے ہیں، جو حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ سے ہی بلاواسطہ مرید ہوکر، صاحب اجازت ہوئے ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ حضرت موصوفؒ کے، بعض خلفاء حضرات کے نام، حیات فضلیہ میں درج نہ ہو سکے ہوں، اوراب ہمارے پاس بھی، ان کے متعلق معلومات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس لئے حضرت قدس سرہ کے خلفاء حضرات ومریدین سے درخواست ہے کہ، اگر ان کے علم میں ایسے حضرات کے متعلق صحیح معلومات ہوں تو۔۔۔۔۔ ارسال کردیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اضافہ ہوسکے''[۱]

---

[۱] تجلیات، مولانا عبدالمالک ص: ۳۶۔۳۸ [طبع اول، کراچی: بلاسنہ]

خیال رہے کہ یہ کتاب، مقامات فضلیہ ۱۳۹۳ھ [۱۹۷۳ء] سے برابر چھپ رہی ہے، چار پانچ ایڈیشن آ چکے ہیں، اس لئے اس کے اس اعلان سے بے خبری یا لاعلمی کا عذر صحیح نہیں ہوسکتا۔ سوال یہ ہے کہ اس درمیان یوسف بن اسماعیل صاحب نے، اولاً مولانا عبدالمالک صاحب اور بعد میں مولانا زوار حسین صاحب کو، مولانا محمد الیاس صاحب کے سلسلہ خلفاء میں شامل ہونے کی خبر کیوں نہیں دی، اس کو چھپانے کا کیا فائدہ تھا، شاید یہ خطرہ ہو کہ مولانا زوار حسین صاحب، صاحب نظر جید عالم اور مبصر و محقق ہیں، وہ اس اطلاع کو، جس کا مولانا فضل علی صاحب کے خلفاء اور متوسلین کی بہت بڑی تعداد میں سے، کسی نے بھی تذکرہ نہیں کیا، قبول نہیں فرمائیں گے۔

ز: اس روایت کی توثیق واعتماد کے لئے یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جناب یوسف بن اسماعیل صاحب نے، بیاسی سال کے لمبے عرصہ میں، اس واقعہ کا کہاں کہاں کب اور کس کس سے تذکرہ کیا اور یہ روایت کس وجہ سے، قبولیت اور توجہ عام سے محروم رہی۔ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کی ایسے کسی بہت ممتاز، برگزیدہ شخص، خصوصاً اللہ والوں سے ملاقات ہوجاتی ہے، تو وہ ہمیشہ اس کو نہ صرف یاد رکھتا ہے، بلکہ اس ملاقات کو ایک اعزاز، اپنی زندگی کا اہم اور لائق ذکر واقعہ سمجھتا ہے اور کثرت سے، اپنے احباب اور ہر طرح کے ملنے جلنے والوں سے، اس کا تذکرہ کرتا رہتا ہے، مگر شاید یوسف بن اسماعیل صاحب نے، اس کا کبھی کسی سے ذکر نہیں کیا۔ یہ خاموشی اور تذکرہ نہ کرنا بھی، اس کی صداقت پر سوالیہ نشان لگا رہا ہے؟

ح: اگر بالفرض، مولانا فضل علی صاحب، مارچ اپریل ۱۹۳۱ء [شوال، ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ] میں دہلی میں موجود تھے اور اس روایت کے ناقل یوسف صاحب بھی، مولانا فضل علی کے رفیق سفر تھے، تو رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ [جولائی ۲۰۱۱ء] میں [جب یوسف صاحب نے یہ اطلاع عام فرمائی،] یوسف صاحب کی عمر کم سے کم سو سال، یا اس سے زائد ہونی چاہئے، کیوں کہ وہ اٹھارہ بیس سال کے تو ہوں گے، جو مولانا نے ان کو سفر میں ساتھ لیا اور مولانا محمد الیاس صاحب کو، جامع مسجد بلوانے کے لئے بھیجا، مگر کیا اس قدر طویل عمر کے افراد عموماً اس لائق ہوتے ہیں، کہ ان کی روایات واطلاعات پر بلاتردد بھروسہ کرلیا جائے اور اس سے استدلال کیا جاسکے۔۔۔۔؟

مذکورہ تمام عنوانات میں سے ہر اک عنوان اور پہلو اس کا تقاضہ کررہا ہے کہ، اس اطلاع و روایت کو یوسف صاحب بن اسماعیل صاحب کے حافظہ کی خطا یا سہو والتباس سمجھا جائے، اس کا حقیقت سے تعلق

---

[1] مقامات فضلیہ ص: ۱۴۴ [کراچی: ۱۴۰۵ھ ۲۰۰۴ء]

جوڑنا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی مولانا فضل علی سے بیعت وخلافت کی بات پر اعتماد، کسی درجہ میں بھی معتبر اور قابل قبول نہیں۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ راقم سطور، سلسلہ نقشبندیہ کی اہمیت، خدمات، اس کے جلیل القدر مشائخ، ان کی تعلیمات واثرات سے، بفضلہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے۔ خود ہمارے خاندان [یا خاندان حضرت مولانا محمد الیاس] کی بھی، سلسلہ نقشبندیہ سے کئی نسلوں تک، بہت گہری نسبت اور اہم رشتہ رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس کے والد ماجد [مولانا محمد اسماعیل] اور بڑے بھائی [مولانا محمد میاں صاحب] دونوں نقشبندی تھے، مولانا محمد اسماعیل کو، حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے اجازت وخلافت حاصل تھی، جو بعد میں مولانا مظفر حسین کے نائب اور جانشین بھی ہوئے، [1] مولانا مظفر حسین کو [حضرت شاہ محمد اسحاق کے بڑے بھائی] مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجر مکی سے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت تھی، ان کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے۔

اس خاندان کے متعدد اصحاب کو، سلسلہ نقشبندیہ کے اور بھی متعدد نامور مشائخ سے اجازت تھی، مثلاً حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کو، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور سید احمد شہید سے نقشبندیہ سلسلہ میں اجازت تھی، اس لئے حضرت مولانا الیاس کے لئے سلسلۂ نقشبندیہ کی تعلیمات اور اس سلسلہ کے کسی شیخ سے استفادہ غیر متوقع تو نہیں، مگر مولانا محمد الیاس کو مولانا فضل علی صاحب سے سلسلۂ نقشبندیہ میں اجازت کی روایت کسی پہلو سے بھی درست معلوم نہیں ہوتی، اس روایت سے موجود دور اور بعد کے لوگوں کو

---

[1] یہاں یہ عرض کر دینا چاہئے کہ، مولانا محمد اسماعیل [حضرت مولانا محمد الیاس کے والد ماجد] کو، حضرت مولانا مظفر حسین نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا، مولانا محمد اسماعیل صاحب کا دہلی میں قیام بھی، مولانا مظفر حسین کی ہدایت سے، شاہ زادگان قلعہ معلیٰ، دہلی کی فرمائش پر خصوصاً شاہ زادوں اور عام متوسلین کی رہنمائی اور اصلاح وتربیت کے لئے ہوا تھا، اس قیام کی ابتداء ۱۸۵۴ء [۱۷-۱۲۷۰ھ] میں ہوئی تھی، اس وقت کی مطبوعہ کئی کتابوں اور تحریرات میں، مولانا محمد اسماعیل کے، جانشین حضرت مولانا مظفر حسین ہونے کی صراحت ہے۔ مولانا اسماعیل کا وسیع حلقہ ارشاد وتربیت تھا۔ اور مولانا مظفر حسین صاحب نے، عوام کو دین کی بات پہنچانے کے لئے، خود اپنی ذات سے محنت، مجاہدہ کر کے، گاؤں، گاؤں کا سفر کرنے اور ہر شخص سے فرداً فرداً ملنے، ان کو دین کی بات پہنچانے، نماز کا شوق دلاکر، نمازی تیار کرنے، خصوصاً ویران مسجدوں کے عبادت سے آباد کرنے کا، بڑا سلسلہ شروع کیا تھا، مولانا محمد اسماعیل نے بھی اس پہلو سے جدوجہد کی اور اپنے پیر ومرشد کے کام کو آگے بڑھایا، یہ موجودہ تبلیغی کام، کسی قدر ترمیم و اضافہ کے ساتھ اسی کا نقش ثانی ہے۔ تفصیلات کا یہ محل نہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین کے سلسلہ ارشاد کی ایک شاخ کا، راقم سطور کو چند سال پہلے ہی علم ہوا ہے، جو اسلام آباد [اننت ناگ] کشمیر کے، ایک بزرگ سے وابستہ ہے، جو مولانا مظفر حسین کاندھلوی کے مجاز بیعت تھے، ان کے خلفاء اور سلسلہ ارشاد موجود وفعال ہے۔

بھی مغالطہ ہوا ہے، ڈر ہے کہ یہ غلط فہمی عام ہو، اس لئے اس کی صاف صاف تردید اور اس کے ناقابل قبول ہونے کی وضاحت بہرصورت ضروری معلوم ہوئی، اسی لئے بادلِ ناخواستہ یہ چند صفحات لکھے ہیں۔ واللہ اعلم

الفرقان کی اس تحریر [رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔ اگست ۲۰۱۱ء] ص: ۸ میں، بیعت واجازت کے واقعہ کا، مولانا محمد الیاس کے سفر حرمین شریفین اور وہاں کے بعض احوال ومشاہدات سے بھی سلسلہ جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر یہ بھی درست نہیں، اس میں بھی گفتگو کی خاصی گنجائش ہے لیکن یہ تحریر خاصی طویل ہوگئی ہے، اس لئے یہاں اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

تاہم یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ ''حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت'' (مصنفہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) کی تمام اطلاعات حتمی اور آخری نہیں ہیں، اس میں حد درجہ اختصار پیش نظر رہا ہے۔ اس لئے متعدد قابل ذکر واقعات اور اہم گوشے جن کی معتبر تحریری شہادتیں موجود ہیں یا ان کے دیکھنے جاننے والے اب تک تھے، اس تالیف میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں، بہرحال یہ خیال بھی جو اسی اطلاع پر مبنی ہے۔ درست نہیں ہے۔

☆☆☆